ایسے داعی الی اللہ بن جائیں جو خود اپنے نگران ہوں۔ دعوت الی اللہ کی محبت میں مبتلا ہو کر دعوت الی اللہ کریں اور اس کے بغیر چین نہ پکڑیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یورپ کے حالیہ سفر کے دوران مجھے یہ بات معلوم کر کے اور محسوس کر کے خوشی ہوتی رہی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ عموماً سب یورپ کی جماعتوں میں پہلے کی نسبت زیادہ بیداری ہے تربیتی نقطہ نگاہ سے بھی یہ احساس ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو بہتر بنانے کے لئے کوشش کرنی ہے اور تبلیغی نقطہ نگاہ سے بھی یہ احساس ہے کہ ہمیں پہلے سے بڑھ کر جدوجہد کرنی ہے اور گھر بیٹھے از خود پیغام دوسروں تک نہیں پہنچ سکتے۔

اس سلسلے میں جرمنی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی خوشکن تجربہ ہوا۔ جو مجلس سوال و جواب کی میٹنگ ہمیشہ ہوا کرتی تھی اُس میں امسال کئی پہلو سے بہت نمایاں بہتری تھی۔ ایک تو یہ کہ بھاری تعداد میں ایسے مہمان تھے جن کا تعلق پاکستان سے نہیں بلکہ جرمنی، ترکی، ایران، افغانستان، عرب ممالک وغیرہ وغیرہ سے تھا اور صاف نظر آرہا تھا کہ مختلف جگہوں پر احمدیوں نے محنت کی ہوئی ہے اور اُس محنت کا نتیجہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا جو محض دو تین گھنٹے کی مجلس سے نہیں ہوا

کرتا، اس کے پیچھے لمبی تیاری ہونی چاہئے۔ پس اللہ کے فضل سے کچھ ڈیڑھ دو گھنٹے کی یا ڈھائی گھنٹے کے قریب کی میٹنگ تھی شاید۔ اس کے بعد بیعتوں کا آغاز ہوا پہلے آٹھ نے خواہش ظاہر کی پھر اور شامل ہونے شروع ہوئے۔ شام تک اطلاع ملی کہ سولہ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے دوست احمدی ہونے کے لئے ارادہ کر چکے ہیں اور باقاعدہ بیعت کا فارم لے چکے ہیں۔ دوسرے روز پھر چار عربوں کی طرف سے پیغام ملا کہ ہم بھی مجلس میں شامل تھے اور فیصلہ کرنا چاہتے تھے مگر کچھ وقت لگا ہے اور رات کو دعائیں کرتے رہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اُن کو اطمینان بخشا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی موقع دیا جائے ہم آکر دستی بیعت کریں گے۔ بیس کی تعداد اگرچہ بظاہر بہت تھوڑی تعداد ہے لیکن مغربی ملکوں میں چونکہ اسلام کے خلاف بہت ہی بدظنیاں پھیلائی جا چکی ہیں اور صرف اسلام کے خلاف بدظنیوں کی بات نہیں بلکہ مذہب میں دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام خوبصورت دکھائی دے بھی تب بھی اسلام کی طرف آگے بڑھنا اور اُس کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا کوئی عام معمولی بات نہیں ہے۔ ایسا معاشرہ جو مادہ پرست ہو چکا ہو، جس میں دنیا کی لذتوں میں کھوئے جانے کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہو، جہاں دولت کی ریل پیل ہو، جہاں نفسیاتی طور پر انسان اپنے آپ کو مینار کی چوٹی پر کھڑا دیکھ رہا ہو اور دیگر قوموں کو نیچے گہرائیوں میں وہاں مذہب تبدیل کرنا خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو معمولی بات نہیں بلکہ بہت غیر معمولی طور پر نفسیاتی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اتنا گہرا اثر سچائی کا پڑنا چاہئے کہ اس کے بعد ایک انسان بے بس ہو جائے اور سمجھے کہ مجھے اپنی ساری سوسائٹی کو ترک کرنا پڑے تب بھی مجھے اس حقیقت کو قبول کرنا چاہئے اس میں روشنی ہے، اس میں سکینت ہے، اسی میں میری طمانیت ہے۔

تو اس فیصلے کے لئے محض دلائل کافی نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاقی نمونے، لمبے تعلق اور رفتہ رفتہ دل میں جانشین ہونے والا یہ یقین چاہئے کہ صداقت اور سکینت اور طمانیت اسلام ہی میں ہیں اور اسی میں ہماری اس دنیا کی اور اُس دنیا کی بھلائی ہے۔ یہ فیصلے ایک دو گھنٹے کی مجالس میں تو نہیں ہوا کرتے۔ یہ فیصلے تو لمبا وقت چاہتے ہیں، محنت چاہتے ہیں اور اسی لئے دعوت الی اللہ پر میں اتنا زور دیتا ہوں کہ درحقیقت ایک احمدی جو زیادہ علم نہ بھی رکھتا ہو اگر دعوت الی اللہ کر رہا ہے تو اُس کی نصیحت اثر ضرور کر رہی ہوتی ہے شرط یہ ہے کہ اُس کا اپنا نمونہ نیک ہو، اُس کے اندر ایک ذاتی جاذبیت پائی

جائے۔ پس جو باتیں وہ خودنہیں کرسکتا اپنی لاعلمی کی وجہ سے۔ جب مجالس سوال و جواب میں مربیان یا دوسرے صاحبِ علم دوست یا مجھے موقع ملے میں شامل ہوں تو وہ علمی الجھنیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حل ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان کے لئے وہ قدم اٹھانا آسان ہو جاتا ہے۔

پس نتائج کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ نتائج اچانک پیدا ہوئے یہ درست نہیں، لمبی محنت درکار ہوتی ہے پھل لگنے کے لئے، اگرچہ ایک تھوڑے سے موسم میں پھل لگتے دکھائی دیتے ہیں لیکن پھل لگنے کے لئے بیج سے لے کر یا اُس کی جڑیں لگانے سے لے کر پھلوں تک کے درمیانی عرصے پر بھی تو غور کریں کہ ایک محنت کرنے والے نے کتنی محنت کی ہے۔ آپ نے تو یہ دیکھ لیا کہ آم لگ گئے ہیں، بور آیا ہے آپ کی آنکھوں کے سامنے اور جلدی جلدی وہ پکنا شروع ہوا۔ چند مہینے میں وہ پھل پک گیا یا چیریز کو دیکھا بڑے خوشنما پھول دکھائی دیئے اور دیکھتے دیکھتے وہ چیریز بنی پھر موسم گزر بھی گیا۔ لیکن جنہوں نے لگایا تھا اُن کو لگاتے بھی تو دیکھیں جنہوں نے حفاظت کی ہے اُن کو حفاظت کرتے ہوئے بھی تو دیکھیں۔ پانی دیا اور ہر موسم سے حفاظت کی اور طرح طرح سے تیار کیا اور نقصان دینے والے جراثیم سے، پرندوں اور جانوروں سے بچایا۔ تبلیغ بھی اسی قسم کا کام ہے۔ مجالس سے پہلے کچھ کام ہونا ضروری ہے اور وہ کام ہے دراصل جو پھل کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اگر اُس کے بغیر آپ گائے بھینسوں کی طرح غلے کے غلے گھیر لے آئیں اور مجالس میں اکٹھا کر لیں اُس کا کوئی فائدہ خاص نہیں ہوتا۔ شاذ کے طور پر اتفاقاً کسی دل پر اثر پڑ جائے گا یا یہ ہوسکتا ہے کہ ذہن اس بات پر آمادہ ہو جائے کہ آئندہ میں دلچسپی لوں گا مگر نتائج نکالنے کے لئے بہرحال لمبی پہلے محنت چاہئے۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ دعوت الی اللہ کے کام کو سنجیدگی سے ایسے کاموں کی طرح لیں جو زندگی میں روزمرہ کے کام کئے جاتے ہیں اُن کی حقیقت سے انسان خوب آشنا ہے۔ ایک تاجر جانتا ہے کہ تجارت اچانک پھل دار نہیں بن جایا کرتی، نتیجہ خیز نہیں ہوا کرتی، ایک زمیندار جانتا ہے کہ فصلیں کاشت کرنے کے لئے بھی لمبی محنت درکار ہے، باغ لگانے کے لئے اور بھی زیادہ محنت درکار ہے، سینچنا پڑتا ہے باغوں کو، لمبی محنت کرنی پڑتی ہے۔ دعوت الی اللہ کے کام کے لئے بھی ایسی ہی محنت بلکہ اس سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

عام محنت میں انسان کے جذبات اتنے گہرائی کے ساتھ اُس محنت میں شامل نہیں ہوا کرتے

اور اُس کی اتنی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے۔ایک زمیندار اگر زمینداری کے تقاضے پورے کررہا ہے تو جذباتی لحاظ سے وہ بیچ میں پوری طرح ملوث ہے یا نہیں۔ یہ بے موقع، بے معنی سی بات ہے۔لیکن اگر آپ تبلیغ کرتے ہیں تو زائد ضرورت یہ ہے کہ آپ کو جذباتی طور پر اُس کے اندر مدغم ہو جانا چاہئے، اُس تبلیغی کام کے ساتھ اور اُس میں اپنی ذات کو کھو دینا چاہئے، محبت اور پیار کے جذبے سے تبلیغ کرنی پڑے گی اس لئے محض دماغ سوزی کی بات نہیں، دل جلانے کی بھی بات ہے۔ دل ڈالیں، دل میں بے چینی پیدا کریں، بے قراری لگالیں، ایک بیماری کی طرح دل کو ایک روگ لگ جائے کہ میں نے یہ کام کرنا تب جا کر وہ کام ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی دنیا میں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ازخود مل جاتا ہے اور تھوڑی سی محنت کے بعد وہ پانی دریاؤں سے ہو یا چشموں سے ہو یا کنوئیں نکال کر ہو کھیتیوں اور باغوں تک پہنچا دیا جاتا ہے اُس میں دل کی بات نہیں ہے۔لیکن دعوت الی اللہ کے کام میں جو پانی آنا ہے یہ آپ کے دل کے روگ سے پیدا ہوتا ہے۔ یا اُن دعاؤں سے آسمان سے برستا ہے جو داعی الی اللہ اُن لوگوں کے لئے کرتا ہے جن کو ہدایت پہنچانا اُس کی زندگی کا جزاعظم بن چکا ہوتا ہے اُس کا مقصد اعلیٰ بن جاتا ہے۔ پس اُس کی گریہ وزاری میں شدید بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور بڑا پھل اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اُنہی دعوت الی اللہ کرنے والوں کو نصیب ہوتا ہے جو اس طرح دعوت الی اللہ کے کام سے دل لگا بیٹھیں، محض دماغی طور پر سمجھا دینا، اس طرح دعوت الی اللہ کرو، اس طرح کرو، اس طرح کرو، ہرگز کافی نہیں ہے۔دعوت الی اللہ کا حقیقی پھل آسمان سے اترتا ہے۔ یہ خاص تبدیلی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کا گہرا تعلق دعوت الی اللہ کرنے والے کے قلبی رجحان سے ہے۔

پس آنحضرت ﷺ سے متعلق جو قرآن کریم میں یہ پڑھتے ہیں: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۴) ایک دوسری جگہ ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (الکہف: ۷) دونوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ اے محمدؐ! کیا تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کرلے گا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو رہے کتنا گہرا غم تھا جو آپ نے دل کو لگا لیا۔ پس دعوت الی اللہ کے لئے صرف عقل اور ذہن کا تعلق نہیں ہے۔ حکمت کے تقاضے بعض قرآن کریم فرماتا ہے اُسے اہمیت دیتا ہے لیکن مرکزی بیچ کی بات جو قرآن بیان فرما رہا ہے وہ دل کی لگن اور ایک ایسی تمنا ہے جو ساری زندگی پر قبضہ کر لیتی ہے۔ جو

اپنے خاکِ وجود کو جس طرح محبت جلاتی ہے، اس طرح جلانے لگتی ہیں، وہ تمنا چاہئے دعوت الی اللہ کے لئے اور وہی تمنا ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں اتنی شدت سے تھی کہ دنیا کے کسی نبی کے دل میں ایسی شدت پیدا نہ ہوئی ہو کیونکہ قرآن کریم نے جس طرح آنحضرت ﷺ کے دل کا حال کھینچا ہے دیگر انبیاء کے دل کی وہ کیفیت کسی اور الٰہی کتاب میں مندرج دکھائی نہیں دیتی۔ پس دلسوزی کا کام ہے، عرق ریزی باہر کی بات ہے، دلسوزی اندر کی بات ہے زمیندار جو محنت کرتا ہے وہ عرق ریزی سے کرتا ہے، پسینہ بہاتا ہے اور مومن جو خدا کی راہ میں کھیتی پر محنت کرتا ہے اُس کا دلسوزی سے تعلق ہے اور وہ دل جلاتا ہے اور اُس کی دل کی گرمی سے آسمان سے رحمت کے بادل برستے ہیں جو اُس کے دل کو بھی ٹھنڈا کرتے ہیں اور اُس کی روحانی کھیتی کی آبیاری کا کام لیتے ہیں۔

تو اس پہلو سے آج مجلس عاملہ میں بھی جب میں نے نصیحت کی تو یہی تھی کہ آپ میں سے ہر ایک نمونہ بن جائے ساری جماعت کے لئے، اپنے دل کو بھی اس میں ڈال لیں تا کہ آپ کی نگرانی کے لئے کسی باہر کی آنکھ کی ضرورت نہ رہے۔ دل کی آنکھ روشن ہو جائے خود آپ اپنے نگران بن جائیں۔ فکر اگر ہو تو ویسی ہو جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کی فکر اللہ کو تھی۔ اللہ کے کام تھے اور اللہ روک رہا ہے اتنا دل کو نہ جلاؤ کہ اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھو، وہ فکر اور رنگ کی ہو جاتی ہے۔ بعض مائیں ہیں جو بچوں کو کہتے کہتے تھک جاتی ہیں پڑھتے کیوں نہیں، پڑھتے کیوں نہیں، پڑھتے کیوں نہیں اور بعض مائیں ہیں جو راتوں کو اٹھ کر پڑھتا دیکھتی ہیں تو اُن کا دل بیٹھنے لگتا ہے کہتی ہیں تم اپنی نظر گنوا بیٹھو گے تمہارے دماغ کو نقصان پہنچ جائے گا، خدا کے لئے کچھ آرام کرو۔ یہ ہے دلسوزی اُن لوگوں کے لئے جو دعوت الی اللہ میں منہمک ہو جاتے ہیں پھر آسمان سے خدا کی آواز آتی ہے بس کرو حوصلہ کرو اتنا نہ دل جلاؤ کہ تمہارے دل کا ضیاع ہو جائے۔ یہ جب لگن ہو جائے تو ایسی دعوت الی اللہ لازماً پھل دیتی ہے ناممکن ہے کہ پھل سے محروم رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیسا پاکیزہ تجزیہ فرمایا ہے اور میں عش عش کر اٹھتا ہوں جب اُس تحریر کو پڑھتا ہوں یا وہ جب مجھے یاد آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا راز ہے جیسا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا۔ 1400 سال کے عرصے میں بڑے بڑے امت میں بزرگ گزر گئے مگر کوئی اس راز کو پا نہیں سکا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ جو تو نے عجیب ماجرا عرب کے بیابانوں میں ہوتا دیکھا۔ یہ حیرت انگیز

معجزہ جانتے ہو یہ کیا تھا۔ یہ ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تو تھیں جس نے راتوں کو اٹھ کر ایک شور برپا کر دیا اور آسمان سے وہ رحمت کی بارش برسی کہ صدیوں کے مردے جی اٹھے اور زندوں کے رنگ بدل گئے۔ وہ الفاظ تو مجھے یاد نہیں مگر عجیب شوکت ہے ان الفاظ میں، وہ شوکت سچائی کی شوکت ہے فصاحت و بلاغت کی نہیں۔ جیسے اچانک ایک انسان حیرت انگیز راز کو پالیتا ہے اور اُس کے نتیجے میں اُس کے دل میں ایک عجیب ولولہ پیدا ہو جاتا ہے اور بے اختیار شدت کے ساتھ دل سے وہ مضمون پھوٹنے لگتا ہے کہ میں نے ایک عظیم الشان مضمون پالیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں میں بعض ایسے لمحات ہیں جو یاد دلاتے ہیں فلسفی کی جو غور کر رہا تھا ایک مضمون پر اور دیر تک سوچتا رہا۔ بالآخر اُسے سمجھ آئی کہ یہ کیا مضمون ہے۔ Gravitation بھی تھا یا جس کا بھی تھا۔ اچانک اُس نے شور مچا دیا میں نے پالیا میں نے پالیا اور ایک راز پایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم و معرفت کے اتنے راز پائے ہیں کہ جب وہ راز آپ دریافت کرتے تھے تو بے اختیار دل بول اٹھتا تھا کہ سب دنیا کو سناؤں اور سب دنیا کو بتاؤں کہ میں نے پالیا اور کیا پایا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریریں پڑھتے وقت مناظراتی تحریروں میں نہ اٹکا کریں۔ آپ پڑھتے پڑھتے اچانک ایسی جگہوں میں داخل ہوں گے جہاں ایک دم تحریر زندہ ہو کر زندگی سے اُبلنے لگتی ہے جیسے پہاڑی چشمے اُبلتے ہیں اور راز خود اُس میں نشو و نما پھوٹتی ہے۔ وہ مقامات ہیں جہاں حقیقت میں نبی کا عرفان حاصل ہوتا ہے، خدا والے کی حقیقت پتا چلتی ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ لکھنا کہ جانتے ہو وہ کیا تھا ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تھیں اس نے سارے راز حل کر دیئے دعوت الی اللہ کے۔ آخری بات دعوت الی اللہ کی یہی ہے ایک ایسی لگن دل میں پیدا کر لیں کہ آپ خود اپنے نگران بن جائیں، دل میں ایک بیماری سی لگ جائے۔ فرق محسوس ہو لوگوں کو کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ محبت کسی کو ہو جاتی تو پہچانی جاتی ہے۔ چھپائے نہیں چھپتی۔

پس دعوت الی اللہ کا پیار بھی ایک ایسی چیز ہے جو چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ جس کو یہ لگن لگ ہو جائے وہ خود تلاش کرتا ہے، ڈھونڈتا ہے، ہر وقت بے چین رہتا ہے، اُس کو پھل نہ ملے، اُس کو سکون

نصیب نہیں ہوتا اور یہی بے سکونی ہے جس پر خدا کے پیار کی نظر پڑتی ہے وہی بے سکونی تھی جو رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا جز بن گئی اور اُس بے چینی اور بے قراری کو خدا نے محبت و پیار سے دیکھا۔ روکا بھی مگر ان معنوں میں نہیں روکا کہ رک ہی جاؤ۔ ایک پیار کا اظہار تھا، ایک محبت کا اظہار تھا بتانے کے لئے کہ میری نظر ہے تم پر تم کیا کر رہا ہے۔

پس ان معنوں میں آپ داعی الی اللہ بنیں تو ناممکن ہے کہ یورپ کی زمین سنگلاخ رہے۔ کوئی دنیا کی زمین سنگلاخ نہیں ہے اگر ہے بھی تو اتنی زیادہ محبت کا معیار اونچا ہو جانا چاہئے جو سنگلاخ زمینوں کو بھی تبدیل کر دیا کرتا ہے ہالینڈ میں تبدیل کرنے والوں کے لئے بڑی نصیحت ہے۔ اس میں یہ وہ قوم ہے جس نے ساری دنیا پر یہ ثابت کیا ہے کہ ہم اپنی ذات پر انحصار کرتے تھے اپنی محنت کے ساتھ، اپنی اُس تقدیر کو بہتر بنا سکتے ہیں جو تقدیر خدا تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ جس میں بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ انسان نئی تقدیر تو نہیں بنا تا لیکن تقدیر کے اندر خدا نے وہ گنجائشیں رکھی ہوتی ہیں کہ انسان محنت کرے تو اُس تقدیر کو بہتر کرتا چلا جائے۔

پس جس ملک میں آپ رہ رہے ہیں اس کا اکثر حصہ سطح سمندر سے نیچے ہے۔ بڑی عظیم قوم ہے جس نے اتنی لمبی محنت کی ہے اور مسلسل سمندر سے زمین کھینچتی رہی ہے، چھینتی رہی ہے اور اپنی زمین کو بڑھاتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے لئے بہت لمبی محنت درکار ہے، عقل کی بھی ضرورت ہے لیکن جو پختہ مزاجی چاہئے۔ یہ ہے عظمت کردار تو جس قوم کا نصیب ہو اللہ کے فضل کے ساتھ وہ قوم ناکام نہیں ہو سکتی۔

بل مارک نے ایک دفعہ آئرلینڈ پر پھبتی کستے ہوئے اور اُن کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ انگریزوں کو میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ہالینڈ کے رہنے والوں کو آئرلینڈ میں آباد کر لیں اور آئرلینڈ والوں کو ہالینڈ بھیج دیں۔ ہوگا کیا اُس نے کہا۔ ہوگا یہ کہ اگر ہالینڈ کے باشندے آئرلینڈ جا کر بس جائیں تو آئرلینڈ دنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا اور آئرلینڈ کے باشندے اگر ہالینڈ میں آ کر بسیں تو Dais بنا ہی نہیں سکیں گے، غرق ہو جائیں گے سمندر میں اور انگریزوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ ہے تو ایک طعن آمیزی ایک قوم پر طعن آمیزی سہی لیکن ایک سیاستدان نے معلوم ہوتا ہے کہ گہری نظر سے دیکھا ہے کردار کو۔ آئرلینڈ کے متعلق ہم اس سے اتفاق

کریں یا نہ کریں کیونکہ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ آئرلینڈ کے مزاج میں بہت خوبیاں ہیں۔ بعض ایسی خوبیاں بھی ہیں جو انگریز میں نہیں ہیں۔ اُن میں سادگی ہے، اُن میں کھلے دل کے ساتھ مہمان نوازی کرنا، بہت سی خوبیاں ہیں لیکن ان کی بعض مجبوریاں اور بے اختیاریاں ہیں اور اُن کی سستیاں اور اُن کی غفلتیں بہت حد تک حالات کی مرہون منت ہیں۔ مگر ہالینڈ کے متعلق میں بل مارک کے ریمارکس سے پورا اتفاق کرتا ہوں خدا تعالیٰ نے اس قوم کو عظیم صلاحیتیں بخشی ہیں۔ انہوں نے رونا نہیں رویا، ہاتھ نہیں پھیلائے۔ دوسری قوموں کی طرف نہیں بھاگے کہ ہم غرق ہو رہے ہیں پانی میں ہماری مدد کرو۔ باہر سے اپنے آلات لاؤ اور ہمارے لئے کچھ کر کے دکھاؤ۔ خود اٹھے ہیں اور جینے کا سلیقہ سیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل نے پھر ان کی مدد فرمائی ہے۔

یہاں کے لوگ جو ہالینڈش ہیں اُن کو یہی چیلنج اسلام کے لئے بھی تو قبول کرنا چاہئے اور وہ لوگ جو باہر سے آ کر آباد ہوئے ہیں۔ اُن کو بھی تو ہالینڈ سے جینے کا سلیقہ سیکھ کر، **اسلام کے لئے یہاں محنت کرنی چاہئے، اگر سمندروں کو یہ قوم شکست دے سکتی ہے تو یقیناً انسانی طغیانیاں جو بغاوت کی طغیانیاں ہیں، انسانی طغیانیاں جو مادہ پرستی اور بدکرداری کی طغیانیاں ہیں اُن کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔ اُن کے سامنے بھی اعلیٰ اخلاق کے عظیم بند بنائے جاسکتے ہیں اور محنت کی جاسکتی ہے، ہر مخالف حالات پر انسان کے اندر غلبہ پانے کی مخفی صلاحیتیں ہیں اُن کو بروئے کار لانا چاہئے۔**

اس چیلنج کا مجھے بشدت احساس رات کی مجلس سے ہوا۔ رات کی مجلس میں ایک سوال کیا گیا کہ کیا آپ اب تک احمدی مبلغین یا احمدیوں کی ہالینڈ میں کوششوں سے جو نتائج نکلے ہیں اُن سے مطمئن ہیں اور اس سوال کے ساتھ ہی جو میری نظر چہروں پر پڑی تو ایک عجیب قسم کی دبی دبی مسکراہٹیں سب چہروں پر تھیں۔ ہر چہرہ مسکرا رہا تھا اُن میں یہ پیغام تھا کہ آپ دلائل جو مرضی دیتے رہیں۔ بحثوں کے میدان میں شکست دے سکتے ہیں دے دیں بے شک لیکن کیا کریں گے اگر آپ کی ساری عمر کی محنتیں، ساری عمر کی جستجو بے کار جائے اور بہرے کانوں پر پڑے اور کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ کیا فائدہ اس کا؟ کیا ضرورت ہے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کی؟ چھوڑیں اس کو کہیں اور جا کر بیٹھ جاتے اور کسی جگہ چلے جاتے جو جلدی آپ کی باتیں سن لیں۔ محنت کا بدلہ دیں یہ ساری باتیں آپ تعجب کریں گے لیکن واقعۃً درست ہیں ان کے چہروں پر لکھی ہوئی ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عجیب صلاحیتیں بخشی ہیں۔ ایک چھوٹی سی مسکراہٹ بعض دفعہ اتنی باتیں بیان کر جاتی ہے کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ ایک چھوٹی سی مسکراہٹ کے انداز میں وہ کیا بات ہے جس میں بڑے بڑے مفاہیم ہوتے ہیں۔ یہ بتائیں کہ مونالیزا کی مسکراہٹ آج تک ایک معمّہ بنی ہوتی ہے۔

ایک معمہ ہے جو آج تک فلسفی اور نفسیات کے ماہر حل نہیں کر سکے اُن کو لگتا ہے کہ عجیب سی بات ہے اس میں اور آرٹسٹ نے اُس بات کو ایسا پکڑا ہے، ایسے رنگوں میں پکڑا ہے کہ اُسے زندہ جاوید کر دیا کہ وہ کیا ہے؟ دلوں میں کھجلی سی لگ جاتی ہے۔ انسان کی عقل اور ہوش کے ناخن کریدتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ کیا ہے؟ لیکن نہیں معلوم کر سکتے۔ مسکراہٹوں میں خدا تعالیٰ نے اتنے مضامین رکھے ہیں کہ چھوٹی سی مسکراہٹ ایک آدمی کو ذلیل و رسوا بھی کر دیتی ہے، چھوٹی سی مسکراہٹ اُسے عظیم عظمت بخش دیتی ہے اور کیسی اُس میں تبدیلی ہوتی ہے۔ کوئی انسانی علم اُس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھنے میں مسکراہٹ وہی ہے ہونٹ Artificially بھی تو بنا دیتے ہیں جب تصویر کھینچی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ چیز کہو اور چیز کہا جائے تو جبڑے پھیلتے ہیں، مسکراہٹ آ جاتی ہے مگر مردہ، اس میں کوئی جان نہیں، کوئی پیغام نہیں۔ ایک سطح سی ہے جو رنگ بدل دیتی ہے۔ لیکن اللہ کی عجیب شان ہے کہ کیسا وہ عظیم خالق ہے انسان کے اندر اتنی باریک لطافتیں پیدا کر دی ہیں کہ ایک مسکراہٹ کے مضمون میں بھی بڑے بڑے حکمتوں کے مضامین سمیٹ دیئے ہیں۔

پس رات کو جو مسکراہٹیں میں نے دیکھیں اُنہوں نے مجھے پیغام دیا اور حقیقی پیغام تھا، کوئی فرضی پیغام نہیں تھا۔ تم کیا کر رہے ہو؟ چالیس سال ہو گئے تمہیں یہاں آئے ہوئے۔ گنتی کے چالیس آدمی بھی پیش نہیں کر سکتے۔ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو اس ملک میں ہم نے سنا، ہم نے سوچا، ہم نے سمجھا، ہم نے رد کر دیا اور تم ہماری آواز کو کیوں نہیں سن سکتے؟ اس کا جواب جو میں نے اُن کو دیا وہ اپنی جگہ معقول تھا، وہ درست تھا۔ وہ ان کی تاریخ کے حوالے سے درست تھا مگر وہ مطمئن ہوئے یا نہ ہوئے جو قلق دل کو لگ گئی وہ بعد میں باقی رہی۔ جواب یہ تھا کہ تم سوچو کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ساری زندگی محنت کی۔ اتنا عظیم انقلابی پیغمبر دنیا میں آیا اور جب صلیب دیئے گئے تو کل تیس گنتی کے آدمی تھے۔ اُن میں سے بھی ایک نے توبہ کی اور ایک نے لعنت ڈالی مگر یہ ذکر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

میں نے کہا تیس گن لو تو کیا مسیح نا کام تھے؟ صرف یہ اعتراضی جواب نہیں تھا بلکہ میں نے اس کا فلسفہ اُن کو سمجھایا میں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ بعض تبدیلیاں دلوں اور خیالات میں رفتہ رفتہ نمودار ہونے لگتی ہیں اور آخری نتیجہ پیدا ہونے میں بہر حال وقت لگتا ہے۔ اگر تین سو سال اُس واقعہ کے بعد عیسائیت نے مظلومیت کی حالت میں بسر کئے اور ایک وہ جو رومن ایمپائر تیسری صدی میں بھی ، بعض ایسے فیصلے ہوئے کہ عیسائیوں کو زندہ اُن کے گھروں میں جلا دیا گیا، اُن کو وحشی جانوروں کے سامنے پھینک دیا گیا اور وہ ہلاک ہوئے اور قہقہے اڑاتے ہوئے بڑے بڑے امراء اُس تماشے دیکھ کر گھروں کو جایا کرتے تھے اور دنیا سمجھ رہی تھی کہ عیسائیت نا کام ہے۔

مؤرخ یہ کہتا ہے کہ تین سو سال گزرنے کے بعد آٹھویں یا نویں سال میں یا جو بھی وہ سال تھا چوتھی صدی کے آغاز میں اُس میں اچانک بادشاہ عیسائی ہوا اور ساری رومن ایمپائر عیسائی ہوگئی۔ ایسا مؤرخ بہت ہی سطحی نتیجہ نکالنے والا مؤرخ ہے۔

میں نے اُن کو سمجھایا کہ آپ یہ بات بھول جاتے ہیں جوں جوں صدیاں آگے بڑھ رہی تھیں اور جوں جوں عیسائیوں پر مظالم توڑے جارہے تھے۔ اُن کی بے اختیاری نے بھی دل بدلنے شروع کئے ہوئے تھے، اُن کی مظلومیت کی حالت میں بھی جس کو زبان نہیں تھی چاروں طرف عظیم پیغام پھیلائے جارہے تھے اور وہ اُن کی سچائی کے پیغام تھے جو خدا کی تقدیر پھیلا رہی تھی اور دلوں تک پہنچا رہی تھی ، قوم میں گہری تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں اور وہ تبدیلیاں تھیں جو بالآخر ایک اچانک بہت بڑے دھماکے کی صورت میں رونما ہوئی۔ ورنہ قوم کا دل تیار نہ ہو تو مجال ہے کہ کوئی بادشاہ مذہب بدلے اور ساری قوم اُس کے ساتھ ہو جائے ایسے بادشاہ کو لوگ اتار پھینکیں اور اُس کا سرتن سے جدا کر دیں۔ اگر اُن کے مزاج کے خلاف کوئی حرکت ہوئی۔ تو میں نے اُن سے کہا کہ جو تیس جس کو آپ تھوڑا سمجھ رہے ہیں میں اُن کو تھوڑا نہیں سمجھ رہا۔ میں نے طعن کے طور پر یہ بات نہیں کی۔ حقیقت کے طور پر آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام نے جو تیس آدمی پیدا کئے تھے اُس نے تیس انقلابی پیدا کر دیئے تھے۔ ایسے انقلابی تھے جن کے انقلاب کے پیغامات صدیوں تک نہیں مرتے۔ نسلاً بعد نسلٍ اُن کے جسم مرتے چلے جاتے ہیں مگر پیغام اور زیادہ زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

لیکن احمدیت نے یہ کیا ہے اور یہاں یہ کر رہی ہے۔ آپ کی آنکھوں کو دکھائی دے یا نہ

دے میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے فضل سے احمدیت کی وجہ سے خیالات میں پاکیزہ تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں، اسلام کی روز بروز غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں اور یہ اثرات انمٹ ہیں کیونکہ یہ پیغام زندہ ہے، یہ پیغام جاری رہنے والا ہے اس لئے میں تو خوش ہوں۔ اس لحاظ سے بعض کے اوپر میں نے اطمینان بھی دیکھا اور مسکراہٹوں کے رنگ بدلتے دیکھے لیکن وہ جو چوٹ لگا دی تھی ایک دفعہ اُس کی خلش تو پھر بھی نہ اتری۔

چنانچہ میں نے مجلس عاملہ کو مخاطب کرتے ہوئے آج یہی سمجھایا کہ لمبے لیکھے تو بعد کی باتیں ہیں اگلی نسلیں دیکھیں گی مگر یہ نہ ہو کہ ہم مر رہے ہوں اور دشمن ہنس رہا ہو۔ کچھ ہمیں اپنی تسکین کے لئے بھی تو چاہئے۔ ؎ آج دکھلا جو دکھلانا ہے دکھانے والے۔ (کلام طاہر صفحہ:۱۷) یہ جب اس دور کا لیکھرام زندہ تھا یعنی جب ضیاء الحق زندہ تھے۔ تو اس کے متعلق جو خدا کی تقدیر ظاہر ہوئی تھی اُس سے تھوڑا پہلے بے قراری کی حالت میں یہ دعا میرے دل سے منظوم طور پر نکلی ؎ ''ہم نہ ہوں گے تو ہمیں کیا؟ کوئی کل کیا دیکھے۔'' اے خدا اگر آج مرنے کے بعد تو نے اس شخص کی پکڑ کی تو ہمیں کیا کوئی کیا دیکھتا رہے ''آج دکھلا جو دکھلانا ہے دکھلانے والے۔'' کیسی بے قرار تڑپ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پھر میری آنکھوں کو وہ نظارہ دکھایا۔ جو اس شعری دعا میں خدا کے حضور عرض کیا گیا تھا کہ ہمیں دکھا دے۔

کل کو تو بہر حال احمدیت نے غلبہ پانا ہے، کل کو یہاں بستی بستی سے اذانوں کی آواز سنائی دے گی۔ اگر آج ہم اس دنیا سے ایسے حال میں رخصت ہوں کہ ہمارے کان اُن نعمتوں سے محروم چلے جائیں اور ہم نہ سن سکیں توحید کی وہ آوازیں تو ہمیں کیا کل کوئی کیا دیکھنے والی بات ہی ہے۔ ہمیں کیا تو نہیں کہہ سکتے ایک انداز ہے یہ خدا کا دل پسیجنے کے لئے بعض دفعہ انسان نخرے بھی کرتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کل بھی ہو تو ہمیں ہی ہے ہم پر یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہماری نسلیں وہ چیز دیکھ لیں گی۔ مگر ہالینڈ کی جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ یہ جذبہ پیدا کریں اپنے اندر کہ ہم بھی تو اپنی آنکھوں سے کچھ ہوتا دیکھیں اور وہ تبھی ممکن ہے کہ ہر شخص کے اندر ایک داعی الی اللہ جاگ اٹھے۔ وہ خود اُس کا نگران بن جائے۔ ہر انسان اپنے اعمال کی خود نگرانی کرے اور بے چینی محسوس کرے اور جب تک اُسے کوئی ایسا پھل نہ ملے جو بالآخر پک کر اسلام کی جھولی میں آ گرے اور اُسے دوام بخشا جائے، وہ گلنے سڑنے کی بجائے وہ ہمیشہ کے لئے دوام اختیار کر جائے اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھے۔

یہ نگرانی باہر سے ممکن ہی نہیں ہے کچھ حد تک، کسی حد تک ہوسکتی ہے، عمومی طور پر اس طرح ہو جاتی ہے مثلاً میں نے جب دورہ کیا تو مختلف مجالس کے لوگوں کو آتے دیکھا یہ انداز لگایا کہ ان پر کام ہوئے تھے کہ نہیں ہوئے تھے۔ عمومی نگرانی تو ہو جاتی ہے لیکن انفرادی کہ کون کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا؟ یہ حقیقی نگرانی ہے جو انسان خود اپنی ذات میں ہی کر سکتا ہے اور اس کے بغیر یہ کام ہونا نہیں ہے۔ آپ میں سے ہر شخص اپنا نگران ہے سب سے پہلے اور اگر اپنا نگران نہیں ہے تو بیرونی نگرانیاں آپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گی۔ بیرونی نگرانیاں اُن لوگوں کو فائدہ دیتی ہیں جن کے اندر ایک نگران پیدا ہو چکا ہو۔ بیرونی نگران اُس نگران سے باتیں کرتا ہے جو اُس کی آواز کو سنتا ہے۔ اُس کی نصیحتوں پر کان دھرتا ہے، اُن کے مزاج کی شناسائی ہے ایک دوسرے کے ساتھ لیکن ایسا شخص جس کے اندر نگران نہیں ہے بیرونی نگران کی باتیں ایسی ہیں جیسے اردو دان کے سامنے فارسی بولنا یا پشتو دان کے سامنے ہالینڈین زبان میں بات کر رہے ہوں تو پیغام نہیں پہنچے گا تو پتا نہیں چلے گا کہ ہمیں سننے والا ہی کوئی نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کے اندر ایک نگران اُٹھے جو زندہ ہو جائے، وہ باشعور بن جائے، اُس کو ایک فکر لگ جائے، ایسی فکر لگ جائے کہ دوسروں کے چہروں سے اس کا غم ظاہر ہونے لگے۔ لوگ پہچاننے لگیں اور پتا لگ جائے کہ اس شخص کو لولگ گئی ہے۔ ایسے شخص کی نگرانی کتنی آسان ہو جاتی ہے جو نصیحت اُس کو کی جائے اُس کے اندر کے آدمی کے کان میں پڑ رہی ہو اور بیرونی کان سے ٹکرا کر واپس فضا میں مرتعش نہیں ہوتی۔ اندر کا پیغام سننے والا جاگا ہوا ہو تو ہر بات سنتا ہے، پلے باندھتا ہے، اندر ایک نوٹ بک لگی ہوئی ہے جس کے اندر وہ لکھتا چلا جاتا ہے اور کچھ فائدے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اُس کے اندر نئی پاک تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ پس اس رنگ کے داعی الی اللہ ہمیں چاہئیں جو اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر لیں، فیصلہ کر لیں کہ ہم نے ضرور کچھ نہ کچھ کرنا ہے اس کے بغیر یہ زندگی بے معنی اور لغو اور بے حقیقت ہے۔

لگن ہو تو تلاش ہوتی ہے اُس کے بغیر نہیں۔ مجلس عاملہ کے سامنے میں نے یہ مثال رکھی تھی اور آپ کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتا ہوں کہ آتی دفعہ سوئٹزر لینڈ میں ہمیں مقامی دوستوں نے پہاڑوں کے نیچے دبی گہری غاریں دکھائیں جن پر پانی کے برستے ہوئے قطروں نے کئی قسم کی نقش نگاری کی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے خوبصورت نقوش پیدا ہوئے تھے، بڑے بڑے خوبصورت

خوبصورت شکلیں بنی ہوئی تھیں وہاں ایک جڑ بھی دیکھی جس کا آخری کنارہ ابھی زمین تک، نیچے تک نہیں پہنچا تھا لٹکا ہوا تھا اور اُس کے متعلق ماہرین نے یہ بتایا تھا اور وہاں لکھا ہوا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک درخت تھا جو خشک سالی کا شکار ہوا اور اُس کی جڑیں پانی کی تلاش میں اترتی چلی گئیں چٹانی علاقوں میں سے چٹانوں کا دل چیرتے ہوئے یہاں تک کہ آخر وہ پانی تک پہنچ گئیں۔ جب تک اُن کو پانی نہیں ملا اُن کی تلاش جاری رہی۔

یہ پیاس ہو اگر داعی الی اللہ کے دل میں تو ہالینڈ کی یا جرمنی کی یا یورپ کے دیگر ممالک کی چٹانوں کی مجال کیا ہے کہ اُن کو روک سکیں۔ اُنہوں نے تو پانی لینا ہی لینا ہے اور نرم جگہوں میں بھی خدا یہ طاقت بخش دیتا ہے کہ جب لو لگ جائے۔ جب زندگی یا موت کا سوال پیدا ہو جائے تو پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہیں اور لازماً پانی تک پہنچتی ہے۔ پس آپ کے لئے بھی پانی کی تلاش دل کا ایک اندرونی مسئلہ بن جائے گی۔ ایک بے اختیاری کی کیفیت ہوگی، آپ کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ اگر آپ اپنے ماحول میں بار بار وہیں سر ٹکرا رہے ہیں اور کچھ نہیں مل رہا تو اُس کی مثال ایک ایسی جڑ کی سی ہے کہ جس میں زندگی اور شعور نہیں۔ وہ بے چاری ٹکرا کے وہیں کھڑی ہو جاتی ہے اُس کو پتا ہی نہیں کہ مقصد کیا ہے، مقصد حاصل کرنا ہے اور سچی تڑپ ہو تو حصول کے بغیر چین نصیب نہیں ہو سکتا۔

پس دعوت الی اللہ کوئی مکینیکل کام نہیں ہے کہ باقاعدہ ٹیکنیک سکھا دی جائے اور دعوت الی اللہ شروع ہو جائے۔ دعوت الی اللہ ایک اندرونی بیداری کا نام ہے، ایک دل کی بھڑکی کا نام ہے، دل میں ایک آگ لگنے کا نام ہے، دل کے مبتلا ہو جانے کا نام ہے، دل دعوت الی اللہ میں مبتلا ہو جائے جیسے ایک مرض میں مبتلا ہو جائے اور اُس کی پیاس بن جائے اور اُس کی بھوک بن جائے، اُس کی زندگی کی بقا کا ذریعہ بن جائے۔ اگر ایسی دعوت الی اللہ کا جذبہ ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے تو ہر احمدی کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ضرور پانی ملے گا، ہر احمدی خدا کے فضل سے کچھ نہ کچھ پیدا کر کے دکھائے گا۔ اُس وقت پھر جب یہ ہو جائے گا پھر یہ سوال نہیں کئے جائیں گے کہ آپ مطمئن ہیں کہ نہیں۔ اپنی نشو ونما سے اس وقت یہ سوال ہو کہ ہم بے چین ہو گئے ہیں آپ کی نشو ونما سے، ہمیں آپ سے خوف لاحق ہے آپ کیوں ہمارے ملک میں اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔ آخر کیا ارادے ہیں آپ کے، آخر کیا چاہتے ہیں آپ۔ جب فکر کی آواز اٹھنی شروع ہوگی وہ گواہ بنے گی ہمارے

کاموں کے حق میں۔ وہ ہمیں بتائے گی کہ ہم نے صحیح سمت میں سفر شروع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہر گھر میں ایسے داعی الی بن جائیں جو خود اپنے آپ نگران بن جائیں۔ دعوت الی اللہ کی محبت میں مبتلا ہو جائیں ان کے اندر ایک پیاس لگ جائے اور چین نہ پکڑے دیکھو وہ جڑ جس نے اتنا گہرا چٹانوں میں سفر کیا تھا اُس کا کوئی دماغ نہیں تھا۔ اب تک کوئی اعصابی نظام اُس کا دریافت نہیں ہو سکا لیکن زندہ تھی۔ اُس نے یہ سبق دیا کہ یہ زندگی کی علامت ہے، نہ دماغ کی علامت ہے، نہ Nerves کی علامت ہے، نہ کسی اور چیز کی زندگی کی علامت ہے۔ زندہ قومیں تو وہ لازماً اُس شخص سے بہتر کام کریں گی کیونکہ زندگی کے ارادوں کو حکمت بھی عطا ہوئی ہوتی ہے۔ پس پہلے زندگی کی شرط پوری کریں پھر حکمت کا مضمون شروع ہو جائے گا، پھر اللہ کے فضل سے آپ کی تدبیروں محنتوں کو لازماً پھل لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)